جماعتوں، اور بعض اوقات متضاد و متناقض رجحانات میں مصالحت و مفاہمت کی کامیاب کوشش، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مولانا رومؒ کی اس حکیمانہ وصیت پر پورا عمل تھا ؎ تو برائے وصل کردن آمدی ؛ نے برائے فصل کردن آمدی

نیز خواجہ حافظؒ کے اس شعر پر بھی وہ پورے طور پر کاربند تھے ؎
آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است ؛ با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

بارہا اس کا تجربہ ہوا کہ مختلف نقطۂ نظر پوری خطابت اور زور استدلال کے ساتھ سامنے آئے، اور نظر آنے لگا کہ شاید آستینیں چڑھ جائیں۔ کہ مفتی صاحب کے چند فقروں نے اس جوش کو ٹھنڈا کر دیا۔ مختلف جماعتوں کو ساتھ لے کر چلنے کی جیسی صلاحیت ان میں دیکھی گئی، کم قائدین میں دیکھنے میں آئی ممکن ہے بعض "ماہرین نفسیات" اور ناقدین اس کو ان کی کمزوری اور ضرورت سے زیادہ بڑھی ہوئی خوش خلقی و مروت پر محمول کریں، لیکن جب ملت میں انتشار ہو مختلف جماعتیں اور مکاتب خیال کسی نہ کسی درجہ میں عصبیت سے متاثر ہوں تو ایسی "مرنجان و مرنج"، حلیم و بردبار اور دلبے ہمہ شخصیت کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی ہے، اور آج یہ خلا مفتی صاحب کے انتقال کے بعد نہ صرف مجلس مشاورت کے دائرہ میں (جس کا منصب صدارت ابھی تک خالی ہے) بلکہ ملت کے دائرہ میں بھی محسوس ہوتا ہے۔

مضمون ختم کرنے سے پہلے اتنا عرض کرتا چلوں کہ مجلس کے طویل و وسیع دوروں میں میں دو باتوں کی خاص کوشش کرتا تھا، ایک یہ کہ قیام (علمی، دینی اور طبعی مناسبت کی وجہ سے) ہمیشہ مفتی صاحب کے ساتھ رہے، دوسرے نمازیں (خصوصًا جہری) انھیں کی امامت اور اقتدا میں پڑھی جائیں، اس لئے کہ مفتی صاحب کی تلاوت میں بڑی حلاوت تھی، وہ بھی رفقاء سفر میں مجھ پر خاص طور پر شفقت

فرماتے تھے، اور مانوس و بے تکلف تھے، اسی تعلق و محبت کی بنا پر میری درخواست پر ۱۹۷۶ء میں وہ رائے بریلی تشریف لائے اور واپس جاکر بڑی محبت کا خط لکھا جس کے لفظ لفظ سے خلوص و مسرّت کا اظہار ہوتا ہے۔

مفتی صاحب کی محبت اور تعلق کی بات تھی کہ انھوں نے کئی بار مجھ سے فرمایا کہ تم اپنی کوئی تصنیف ندوۃ المصنفین کو دو، اور اس کی طرف سے اسکی اشاعت ہو ۱۹۸۰ء کی ابتدا کا کوئی مہینہ تھا، کہ تدکیسر گجرات میں محترمی مولانا غلام محمد صاحب نورگت کے دولت خانہ پر جن کا مفتی صاحب سے خاص تعلق تھا، اور میرے بھی بزرگ اورکرم فرما ہیں، اس کا ذکر آیا، اور میں نے اپنی کتاب حیاتِ عبدالحیٔ جو انھیں دنوں میں مرتب و مکمل ہوئی تھی۔ ندوۃ المصنفین کو پیش کرنے کا وعدہ کیا مفتی صاحب نے اس پر اپنی بڑی خوشی کا اظہار کیا اور بڑی توجہ اور اہتمام کے ساتھ وہ نومبر ۱۹۸۰ء میں ندوۃ المصنفین کی طرف سے شائع ہوگئی، مجھے بھی مفتی صاحب کی ایک خواہش و فرمائش کی تعمیل کی مسرّت وسعادت اور کتاب کو ندوۃ المصنفین جیسے مؤقر تصنیفی ادارہ کی مطبوعات میں شامل ہونے کی عزت حاصل ہوئی، اور وہ الحمدللہ علمی ادبی حلقوں میں پسند کی گئی، مفتی صاحب کی اجازت سے ادارہ نشریات اسلام نارتھ ناظم آباد نے اس کا پاکستانی ایڈیشن بھی شائع کیا۔

مفتی صاحب اخیر میں چند شدید بیماریوں کا شکار رہے، لیکن مزاج میں جو مروّت اور لینیت، پرانے تعلقات کا پاس و لحاظ اور اخلاق و ایثار کا جوہر تھا وہ ضروری آرام و احتیاط میں بھی مخل ہوجاتا تھا، یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنے بہت سے قدیم عوارض اور جدید تکلیفوں کے باوجود دارالمصنفین کے اس سمینار میں شرکت ضروری سمجھی جو اسلام اور مستشرقین کے عنوان پر ۲۶ - ۲۸ ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ ۲۱ - ۲۳ فروری ۱۹۸۲ء کو دارالمصنفین کی طرف سے اس کے زیر اہتمام

شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج اعظم گڑھ میں منعقد ہوا، اسی سفر سے واپسی پر دریاآباد کے اسٹیشن پر ان پر اچانک فالج کا حملہ ہوا، یہ انتظام غیبی تھا کہ مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی اور چند مخلص احباب و رفقاء خاص ہمسفر تھے، لکھنؤ کے طبی امداد کے اسٹیشن پر پہونچ جانے کی اطلاع کردی گئی، وہاں مفتی صاحب کو اتارلیا گیا، مفتی صاحب کے نیازمندوں اور ندوۃ العلماء سے تعلق رکھنے والے احباب وخدام نے اپنی ذمہ داری کا پورا احساس کیا، اور حصول سعادت اور خدمت کو غنیمت سمجھا، راقم سطور بھی لکھنؤ میں موجود تھا، وہ بھی اس سعادت میں شریک رہا، مفتی صاحب کو بلرام پور ہسپتال میں داخل کردیا گیا، دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ نے دین وملت کے اس "ہُما" کی پذیرائی میں کوتاہی نہیں کی، جو قسمت سے اُڑکران کے پاس پہونچ گیا تھا، خیال تھا کہ جب تک آرام نہ ہوجائے مفتی صاحب یہاں سے تشریف نہ لے جائیں، لیکن گھر والوں کا تقاضہ غالب آیا اور یہ خیال ہوا کہ ان کا حق زیادہ ہے اور شاید وہاں مفتی صاحب کو قلبی وروحانی سکون اور طمانیت ملے اس لئے بادل ناخواستہ یہ جدائی گوارا کی گئی، لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہی وہ ساعت مقرر آگئی، جس کے متعلق فرمادیا گیا ہے کہ

لا یستأخرون ساعۃ ولا یستقدمون

اور نہ صرف ندوۃ المصنفین بلکہ وہ سب دینی ادارے جس کے وہ رکن ومشیر اور معاون ورفیق تھے، نہ صرف دہلی جوان کا مسکن اور دیوبند جوان کا وطن تھا، بلکہ برصغیر ہند (ہندوستان وپاکستان) ان کی رہنمائی، اصابت رائے سلامت فہم، اور مختلف الخیال لوگوں میں وصل وجمع کی صلاحیت سے محروم ہوگیا، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

مفتی صاحب کے لئے تقدیر الٰہی میرے لئے توفیق وسعادت کی بات

تھی کہ مفتی صاحب کی وفات کا واقعہ پیش آیا تو میں حجاز مقدس میں تھا) مجھے دہلی کے ٹیلیفون سے اس کی بروقت اطلاع ملی، میں نے اسی وقت سعودی ریڈیو اسٹیشن سے رابطہ پیدا کیا اور عزیزی مولوی نصار رفیع ندوی انچارج شعبۂ اردو جدہ ریڈیو اسٹیشن کو اپنی قیام گاہ پر بلاکر مفتی صاحب کے حادثہ ارتحال اور ان کی شخصیت، خدمات وکمالات پر ٹاک ریکارڈ کرائی، جو اسی دن نشر ہوئی اور اسی کے ذریعہ حجاز مقدس اور سعودی عرب کے دوستوں اور اہل تعلق کو حادثہ کا علم ہوا مجھ سے جو کچھ بن آیا مفتی صاحب کے رفع درجات کے لئے دعا اور طواف کی سعادت حاصل کی اور اپنے مخلص احباب کو بھی اس کی ترغیب دی۔ اندازہ ہے کہ بہت سے مخلصین نے یہ سعادت حاصل کی، اور مفتی صاحب کے لئے دعا وطواف کے ذریعہ ایک جلیل القدر عالم اور خادم ملت کے لئے دعا اور ایصال ثواب کر کے اپنے لئے بھی قبولیت اور ترقی دینی کا سامان کیا، شاید کم مشاہیر وزعمار کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو، کہ اس قدر جلد ان کے لئے دیار مقدسہ میں دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام ہوا ہو ——

وذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء - - - -